اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ

عورت دورِ قدیم میں

قبل از اسلام، یونان ہو یا روم، ہندوستان ہو یا ایران، یورپ ہو یا ایشیا، عورت ہر جگہ مظلوم رہی ہے۔ تمام ادیان نے عورت کے متعلق پست خیالات کا اظہار کیا، جس کی بناء پر اسے انسانیت کے کندھوں پر ہمیشہ ایک بار سمجھا گیا۔ چنانچہ قدیم دنیا کا ذرہ ذرہ اس کے خون کا پیاسا اور چپہ چپہ اس کی ذلت کا خواہاں اور اس کی عزت و ناموس کے درپے رہا۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محض خادمہ بن کر گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔ اہلِ یونان اپنی تمام تر تہذیب و تمدّن کے باوجود عورت کے بارے میں گمراہ کن عقائد رکھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈس جانے کا علاج تو ممکن ہے، مگر عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔ یورپ جو آج کل عورت کا بڑا ہی خواہ اور ہمدرد نظر آتا ہے، آج سے صرف ایک صدی قبل عورت کو شیطان سے بڑھ کر قابلِ نفرت اور ضرر رساں سمجھتا تھا۔ مرد عورت کے نان و نفقہ کا پابند نہ تھا، اسے کسی قسم کا سماجی حق حاصل نہ تھا۔ یہودیت اور عیسائیت دونوں نے عورت کو بدکار اور بدطینت، جب کہ مرد کو نیک سرشت اور نیک فطرت گردانا۔ چنانچہ مرد عورت پر مکمل طور پر متصرف ہوتا تھا۔ مرد وارث کی موجودگی میں عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہ مل سکتا تھا۔ روم میں تو مرد عورت کو قتل کر دینے کا بھی مجاز تھا۔ مغربی مفکرین عورت کو ایک پیدائشی وسوسہ، ایک خانگی خطرہ، ایک مرغوب آفت، ایک ناگزیر لیکن غارت گر دلربائی اور آراستہ مصیبت کہتے تھے۔ سینٹ پال اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

"عورت کو کمالِ تابعداری سے سیکھنا چاہیے۔ مَیں اسے اجازت نہیں دیتا کہ وہ کچھ سکھائے، یا مرد پر حکم چلائے۔ اس کا کام تو یہ ہے کہ چُپ چاپ مکمل

فرمانبرداری کرے۔"

کتابِ مقدس تو عورت کو موت سے زیادہ تلخ قرار دیتی ہے۔ ہندو دھرم اس معاملے میں سب سے بازی لے گیا ہے۔ ہندوستان کے مشہور متنّن (دیانند سرسوتی) نے عورت کی نسبت فتوٰی دیا کہ :

"عورت خواہ بچی ہو یا جوان یا بوڑھی، ہر حال میں کوئی کام بھی خود مختاری سے نہ کرے۔" (منوسمرتی ۵/۱۴۷)

"کیوں کہ وہ لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں ہے، جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہو جانے کے بعد بیٹوں کے اختیار میں۔ اس لیے وہ کبھی خود مختار بن کر نہ رہے۔" (منوسمرتی ۵/۱۴۵)

ہندوستان میں قدیم زمانہ سے ستی کا رواج اس بات کی علامت ہے۔ گویا عورت کا اپنا کوئی وجود نہیں اور وہ مرد ہی کے رحم وکرم پر ہے۔ حتیٰ کہ خاوند کی وفات کے بعد اس کی زندگی کا بھی کوئی جواز نہیں۔ ہندو عورتوں کا تو دھرم ہی "پتی ورتا" تھا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر ہی اس کا معبود و آقا ہے اور وہ اپنے شوہر کے سامنے بے بس اور عاجز ہے۔

بدھ مت کے نزدیک عورت سے تعلق رکھنے والا کبھی نروان حاصل نہیں کر سکتا۔

عرب میں ظہورِ اسلام سے قبل عورت کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ بیٹی کی پیدائش باپ کے لیے بدترین خبر تھی، اس لیے بعض قبیلوں میں لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا ـــــ طلاق پر کوئی پابندی نہ تھی، مرد جتنی بار چاہتا عورت کو طلاق دیتا، پھر دورانِ عدت اس سے رجوع کر لیتا۔ اسی طرح ظہار کی تلوار بھی ہر وقت عورت پر معلق رہتی، جس سے عورت نہ بستی، نہ اُجڑتی، بلکہ مسلسل کرب اور ذہنی اذیت سے دوچار رہتی۔ ماں کی شکل میں عورت کا مقام و مرتبہ بہت گرا ہوا تھا۔ باپ کی بیویاں بیٹوں میں ترکہ اور جائیداد کی طرح تقسیم ہو جاتیں۔ سوتیلی ماں سے نکاح کر لینے میں کوئی عار نہ تھی۔ صدیوں کی محکومی اور عالمگیر حقارت کے اس برتاؤ نے خود عورت کے اپنے ذہن سے عزتِ نفس کا احساس مٹا دیا تھا۔ وہ خود بھی بھول گئی تھی کہ اس کا بھی کوئی حق ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ صرف مرد کی خدمت کرنے اور اس کا ظلم سہنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ابنِ آدم اپنے آرام و آسائش کے لیے جس ہستی کا ازل سے مرہونِ منت رہا ہے، جس کے گوشت پوست اور خون سے اس نے پرورش پائی، جس کی آغوشِ تربیت میں وہ پروان چڑھا، جس کے تعاون سے اس نے زندگی کے نشیب و فراز طے کیے، جس کی ایک مسکراہٹ سے اس کی ساری کلفتیں دور ہوئیں اور جس کی رعنائی و دلربائی نے مصائب و تکالیف کے ہجوم میں مرد کی زندگی کو دلفریب اور خوشگوار بنا کر رکھ دیا، اسی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا گیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں ۱۸۵۶ء میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا اور موضوعِ بحث یہ تھا کہ کیا عورت ذی روح بھی ہے یا نہیں؟ حاضرینِ جلسہ نے بڑی فیاضی اور رواداری سے یہ رائے دی کہ عورت بنی نوعِ انسان میں داخل ہونے کی وجہ سے ذی روح تو ہے، مگر اس کی پیدائش کی غرض صرف یہ ہے کہ وہ مرد کی خدمت کرے۔

عورت کے متعلق روسی ضرب المثل سُنیے:

"دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے" اطالیوں کا کہنا ہے: "گھوڑا اچھا ہو یا بُرا، اسے مہمیز کی ضرورت ہے، مگر عورت اچھی ہو یا بُری، اُسے مار کی ضرورت ہے" (تمدنِ عرب۔ص ۳۷۴)

دَورِ جدید میں

دورِ جدید میں جب زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب آیا تو عورت کی زندگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اہلِ یورپ کو جب عورت کی ازلی مظلومیت کی انتہائی حدوں کا گہرا احساس ہوا تو اُنھوں نے اس کا مداوا کرنے کے لیے دوسری انتہاء اختیار کی۔ یعنی عورت کو ہر قسم کی آزادی دے ڈالی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندشوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد عورت اپنی مظلومیت کے انتقام میں بہت آگے نکل گئی۔ آزادیٔ نسواں کی بہت سی تحریکیں پروان چڑھیں، جنھوں نے عورت کو اس درجہ تک پہنچا دیا جہاں جا کر عورت، نہ عورت رہتی ہے اور نہ مرد ہی بن سکتی ہے۔ مصنوعی مرد بننے کے شوق میں گھر کے تمام فرائض چھوڑ چھاڑ کر باہر سڑکوں، گلیوں، ہوٹلوں، ریستورانوں، پارکوں مختلف دفتروں اور اداروں میں نکل آئی، مگر مردانہ خصوصیات اور زنانہ خصوصیات چونکہ بالکل الگ الگ ہیں، اس لیے وہ مرد تو نہ بن سکی، مگر ایک تیسری قسم کی جنس بن گئی —— جی ہاں، وہ اپنے نسوانی قویٰ، طبیعت اور نفسیاتی کیفیات کی بناء پر مرد تو نہ بن سکی، تاہم اپنے خانگی

فرائض سے کوتاہی کی بنا پر اور طبعی وظائف فراموش کر دینے کی وجہ سے عورت بھی نہ رہی تھی۔ اس سے ایک تو گھریلو نظم برباد ہوا، دوسرے معاشرے میں بے حیائی، کثرت بھی، اور حرام بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اس طرح زمانہ قدیم کی تفریط بھی اس کے لیے غیر موزوں رہی تھی اور زمانہ جدید کی یہ افراط بھی اسے اس کا صحیح مقام نہ دلا سکی، بلکہ الٹا معاشرے میں بے پناہ مسائل پیدا ہو گئے، انھوں نے جدید معاشرے کو بیمار، کھوکھلا اور پراگندہ کر کے رکھ دیا۔

اسلام نے عورت کو کیا دیا؟

رحمۃ للعالمین، ہادیٔ دو جہاں، سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جو ابرِ کرم روئے زمین پر برسا، اس نے یوں تو ہر خاص و عام کو فیض پہنچایا اور ہر خشک و تر کو سیراب کیا، مگر اس سے سب سے زیادہ فیض ان لوگوں کو پہنچا جو معاشرے میں دبے ہوئے مظلوم اور حقوق سے محروم تھے ـــ مثلاً غربا، یتامیٰ، لونڈی، غلام اور خواتین۔ ان سب صنفوں کو اسلام نے بلند مقام عطا کیا اور معاشرے میں سرفرازی بخشی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ طبقۂ اناث کو جو فیض اور برکات اسلام نے عطا کیں، وہ صرف اسلام ہی کا خاصا ہے۔ کوئی دوسری تہذیب، تمدن یا مذہب اس کا عشرِ عشیر بھی عورت کو نہ دے سکا۔

اسلام نے عورت کا جو مقام معاشرے میں متعین کیا ہے وہ جدید و قدیم کی افراط و تفریط سے یکسر پاک ہے۔ یہاں عورت کو نہ تو شیطان کا ایجنٹ اور گناہ کی پتلی بنا کر انتہائی مظلوم بنانے کی اجازت ہے اور نہ ہی اسے یورپ کی سی مادر پدر آزادی حاصل ہے۔

عورت بحیثیت انسان

اسلام نے عورت پر سب سے پہلا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد و عورت دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا۔ انسان کے ذہن و قلب میں عورت کے وقار، مقام اور مرتبہ کا تعین کیا، اس کے شخصی، سماجی، تمدنی اور معاشی حقوق کا تخیل جاگزیں کیا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" (النسآء:۱)

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک انسان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بنایا"

اس لیے انسان ہونے میں مرد و عورت سب برابر ہیں ۔ یہاں مرد کے لیے اس کی مردانگی باعثِ شرف ہے، نہ عورت کے لیے اس کی نسوانیت باعثِ عار۔ یہاں انسان جو مرد و عورت دونوں پر مشتمل ہے، وہ من حیث الانسان اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے فطرت کا ایک عظیم شاہکار ہے ـــــ جو اپنی صوری خوبیوں اور معنوی خصوصیات کی بناء پر انتہائی محترم اور بزرگ ترین ہستی ہے ۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا" (بنی اسرآئیل: ۷)

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی و فضیلت بخشی اور انھیں خشکی اور تری کے لیے سواری دی ۔ انھیں پاک چیزوں کا رزق بخشا ۔ اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں پر انھیں فضیلت بخشی ۔"

سورۃ والتّین میں ارشاد ہوتا ہے :

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" (التین: ۴)

"ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا ۔"

چنانچہ بنی آدم کو جملہ مخلوقات پر جو فضیلت بخشی گئی اور بحیثیت انسان اس کو جو سرفرازی عطا کی گئی، عورت اس میں برابر کی شامل ہے ۔

دونوں میں ممتاز کون ؟

پھر اسلام میں ان دونوں صنفوں میں سے ممتاز اور بزرگ وہ ہے جس کے پاس نیک اعمال اور تقویٰ ہے، جس میں شرافت کا معیار مکمل طور پر موجود ہے ۔ یہاں دیگر مذاہب کی طرح بزرگی اور کمتری کا معیار جنس نہیں، جہاں مرد ہمیشہ احترام کا مستحق سمجھا جائے ـــــ چاہے وہ اپنی عملی زندگی میں پاپ اور عظیم گناہوں کا مجموعہ ہی کیوں نہ رہا ہو ـــــ اور عورت کو ہمیشہ شیطان کا ایجنٹ قرار دیا جائے، خواہ وہ اپنی عملی زندگی میں برائیوں سے کتنی نفور اور گناہوں سے کتنی دُور کیوں نہ رہے ـــــ بلکہ یہاں بڑائی اور بزرگی کا معیار، اصلاحِ ایمان، دُرستیٔ اعمال، سلامتیٔ فکر، خدا ترسی، خوش اخلاقی، خلُوص اور حُسنِ سیرت ہے ـــــ جو آدمی جتنا زیادہ خدا ترس، متقی اور پرہیزگار ہے، با اخلاق اور حُسنِ سیرت کا مالک ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا ہی برگزیدہ ہے، چاہے یہ مرد ہو یا عورت !

چنانچہ اسلام کے اس اساسی دستور کو یوں واضح فرمایا گیا ہے:

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" (الحجرات: ۱۳)

"اللہ کے ہاں تم میں سے بزرگ ترین وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے"

نیز فرمایا:

"اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ"

(آلِ عمران: ۱۹۵)

"میں (اللہ) تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" (النحل: ۹۷)

"جس مرد یا عورت نے اچھے عمل کیے، اور وہ مومن ہے، تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کو ان کے انجام دیے ہوئے بہتر اعمال کا بہترین اجر و ثواب عطا فرمائیں گے"

قرآنِ کریم میں جن صفات کو مردوں کے لیے بنظرِ استحسان دیکھا گیا ہے، وہی صفات عورتوں کے لیے بھی پسند فرمائی گئی ہیں۔ اور دنیوی و اُخروی فوز و فلاح کا جو معیار مردوں کے لیے رکھا گیا ہے، بعینہٖ وہی معیار عورت کے لیے بھی رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی اسلام کے نزدیک معاشرہ کے ناقابلِ تقسیم اجزاء اور تمدّن کی گاڑی کے ناگزیر پہیے ہیں۔ زندگی کے بارِ گراں کو دونوں شانہ بشانہ سنبھال کر ہی ارتقائے تمدن کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں ـــــ اسی لیے قرآنِ کریم مرد و عورت دونوں کو "یٰاَیُّھَا النَّاسُ" یا "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ دونوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسنِ اخلاق، ادائیگی حقوق کا یکساں ذمہ دار ٹھہراتا ہے، دونوں مساوی حیثیت سے اللہ کے ہاں ذمہ دار اور اپنے اپنے اعمال کے بارے میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں ـــــ مرد سے عورت کی یا عورت سے مرد کی باز پُرس نہیں ہو سکتی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" (متفق علیہ)

"سنو تم سب نگہبان ہو اور تم سے تمہاری رعایا کے بارے میں سوال ہوگا"

مرد اپنے بیوی بچوں کا رکھوالا ہے، اس لیے اس سے ان کے بارے پوچھ ہوگی۔ اور عورتیں شوہر کے گھر کی مالکہ اور اس کے بچوں کی نگہبان ہیں، اس لیے اس سے ان کے بارے پوچھ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت نہ تو مرد کا ضمیمہ ہے، نہ ہی مرد سے کم تر ہے۔ مرد اپنی قبر سے اُٹھے گا اور اپنا جوابدہ خود ہوگا —— اسی طرح عورت اپنی قبر سے اُٹھے گی تو اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ خود ہی ہوگی —— ہاں مگر ساتھ ہی، ضمناً، مندرجہ بالا احادیث ایک اور وضاحت بھی کر رہی ہے کہ مرد کے فرائض اور اس کا دائرہ کار الگ ہے اور عورت کا الگ۔ مرد بیرونِ خانہ تمام امور انجام دے اور عورت گھر کے اندر ذمہ دار ہے۔ وہ شوہر کے گھر اور بچوں کی رکھوالی ہے۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا تو وضاحت فرما دی کہ علیؓ بیرونِ خانہ تمام ذمہ داریاں انجام دیں گے اور تم گھر کے اندر سارے کام انجام دینا۔ (دائرہ کار کی مزید وضاحت اپنے مناسب مقام پر آئے گی)

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو بالترتیب مرد اور عورت رکھ کر ہی اُن کی عزت، ترقی، کامیابی اور ارتقاء کے یکساں مواقع بہم پہنچائے ہیں، جس طرح مرد ترقی کے میدان میں اپنے قدم بڑھا سکتا ہے، اور اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے، بعینہٖ عورت بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے دائرۂ کار کے اندر میدانِ ترقی میں جولانی کر سکتی ہے —— قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے (ترجمہ)

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، آبرو کی حفاظت کرنے والے مرد اور ناموس کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے" (الاحزاب : ۳۵)

معاشرتی میدان

جس طرح دیگر معاشروں نے کانٹے کی طرح عورت کو شاہراہ حیات سے ہٹانے کی کوشش کی، وہاں اسلامی معاشرہ اسے بعض حالتوں میں خود مردوں سے بھی زیادہ شرف و احترام بخش رہا ہے۔ وہ برگزیدہ ہستی جو تمام عالم کے لیے سرمایۂ رحمت بن کر تشریف لائی تھی، اُس نے اس مظلوم طبقہ کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا:

"حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَآءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ" (نسائی)

"مجھے دنیا کی چیزوں میں سے عورت اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت سے نفرت، صفائی اور خوشبو سے بیزاری، یہ چیزیں خدا ترسی یا زہد اور تقویٰ کی دلیل نہیں ہیں۔ انسان اللہ کا محبوب جبھی بن سکتا ہے جب وہ اللہ کی تمام نعمتوں کی قدر کرے ــــ باذوق ہو، جمال و نظافت کا دلدادہ ہو اور عورت سے صحیح و مناسب تعلقات رکھنے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مرد و عورت دونوں کے لیے نکاح لازمی ہے۔ اس سلسلے میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

"اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ"

(بخاری۔ کتاب النکاح)

"نکاح میری سُنّت ہے، سو جس نے میری سُنت سے روگردانی کی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

چنانچہ بیوی کی حیثیت سے عورت اپنے شوہر کی مشیر اور اس کے گھر کی مالکہ ہے، اس کے بچوں کی معلم اور مربی ہے۔ اور اس کے گھر کو سکون و اطمینان سے آراستہ و پیراستہ کرنے والی ہے ــــ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط" (البقرۃ: ۱۸۷)

"عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا۔"

یعنی ان کی شخصیت کی تکمیل تم سے ہوتی ہے، تو تمہاری شخصیت کی تکمیل ان سے ہوتی ہے ــــ تم ان کے لیے باعثِ حُسن و آرائش ہو، تو وہ تمہارے لیے زینت و زیبائش ہیں! تم ان کے لیے باعثِ سکون و محبّت ہو تو وہ تمہارے لیے ہیں ــــ اور تم ان کے اخلاق و

کردار کے محافظ ہو اور وہ تمہارے اخلاق و کردار کی پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہیں۔

غرض مرد کی زندگی کے بہت سے تشنۂ تکمیل پہلو عورت کے تعاون کے بغیر مکمل نہیں ہوتے، اور عورت کی زندگی کے بہت سے تشنۂ تکمیل پہلو مرد کی معاونت کے بغیر ادھورے رہ جاتے ہیں ـــــ دونوں کی زندگیاں کسی صورت میں بھی ایک دوسرے کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتیں۔

عورت بحیثیت بیٹی اور بہن

لڑکیوں سے حسنِ سلوک کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اوّل اِن کو زندہ درگور کرنے سے روکا گیا، پھر والدین کو لڑکیوں کی تربیت، پرورش، ان سے حسنِ سلوک اور ان کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے پر بہت بڑی بشارت سنائی گئی ہے اور ان کی پیدائش کو باعثِ خیر و برکت اور موجبِ رحمت بتایا گیا ہے ـــــ ابوداؤد، (کتاب الادب)، ترمذی اور ابنِ ماجہ میں حضرت ابوسعیدؓ خدری سے مروی ہے:

"مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ فَاَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ"

"جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی اچھی تربیت کی، ان سے حسنِ سلوک کیا، پھر ان کا نکاح کر دیا تو اس کے لیے جنت ہے"

حضرت فاطمہؓ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"فَاِنَّمَا ابْنَتِيْ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ يُرِيْبُنِيْ مَا رَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا"

(مسلم۔ کتاب الفضائل)

"میری بیٹی میرا لختِ جگر ہے ـــــ جو چیز اس کے لیے باعثِ تشویش ہو گی، وہ میرے لیے بھی باعثِ تشویش ہو گی۔ اور جس چیز سے اُسے اذیت پہنچے گی، اس سے مجھے بھی اذیت پہنچے گی" (مسلم۔ کتاب الفضائل)

ماں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" (الاحقاف: ۱۵)

"ہم نے انسان کو اس کے والدین سے حُسنِ سلوک کا حکم دے دیا۔ اس کی

ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، مشقت اٹھا کر اسے جنا
اس کے حمل اور دُودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ جاتے ہیں۔"

جہاں تک عورت کے ماں ہونے کا تعلق ہے۔ دینِ رحمت اسلام نے اس کو وہ بلند مقام دیا، جہاں خود مرد اس کے سامنے سرفگندہ اور دم بھرتے نظر آتے ہیں ——— چنانچہ جنت ماں کے قدموں میں رکھ دی گئی ہے:

"اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ" (کنز العمال: ج ۱۶ ص ۴۶۱ عن انسؓ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور متفق علیہ حدیث ہے کہ کسی صحابیؓ نے خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہو کر سوال کیا" یا رسولؐ اللہ! میرے حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں" اُس نے عرض کی،" پھر کون؟" آپؐ نے فرمایا، "تیری ماں" اُس نے پھر پوچھا ——— "پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا، "تیری ماں" چوتھی مرتبہ پُوچھنے پر ارشاد ہوا "تیرا باپ، اور اس کے بعد درجہ بدرجہ قرابت دار"

مندرجہ بالا قرآنی آیت اور نبویؐ فرمودات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر مسلمان قرآن و سُنت کی تعلیم کے پیشِ نظر اللہ اور رسولؐ کے بعد اپنی والدہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مضطر و بے تاب نظر آتا ہے، کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اگر ماں راضی ہے تو اللہ و رسولؐ بھی راضی ہیں۔ اور اگر ماں ناراض ہے تو اللہ و رسولؐ بھی ناراض ہیں! ——— بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر محسنِ نسواں صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ سلوک کا بہترین مستحق تین مرتبہ ماں کو قرار دیا اور چوتھے نمبر پر باپ کو۔ یہ چوتھے نمبر پر آنے والا باپ وہی مرد تو ہے، جو اپنی ٹھوس فطری و جسمانی صلاحیتوں کی بناء پر دشمنوں کے "چھکے" چھڑا سکتا ہے اور عالم کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ وہ جنت کے حصول کے لیے، اپنے گناہوں کے کفارے کے لیے، اپنے رب کی رضا کی خاطر ہر وقت اپنی نحیف و نزار بوڑھی ماں کی مسلسل دلجوئی، خدمت اور خبر گیری میں لگا رہتا ہے۔ اس کے برعکس یورپی تہذیب میں کس طرح بوڑھے والدین "old Houses" میں مقید اپنے بچوں کی شکل تک دیکھنے کو ترس جاتے ہیں!

(جاری ہے)